Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.104, 2016 pp 49 - 56

مجلہ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۷، جولائی۔ستمبر ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۴

# اردو ناول وافسانہ کی تنقید اور بیگم شائستہ اکرام اللہ

ڈاکٹر عارفہ شہزاد☆

**Abstract:**

Begam Shaista Ikramullah is a well known politician and was an active participant of Pakistan Freedom Movemement.She wrote short stories with the pen name Shaista Suharwardi.She was the first woman in Indo-Pak Sub Continent who completed her Phd from University of London in 1939.Later her Phd thesis was published in book form in 1945. Her book's name is *A Critical Survey of the Development of the Urdu Novel and Short Story.*

Before marriage she was known with her father's name and used to write her name Shaista Akhtar Bano Suharwardi thats why this name is inscripted on the book.

This book mentions many important novalists and short story writers prominent in the development of novels and short stories e.g.,Nazir Ahmad,Rashid ul Khairi,Muhammadi Begam, Ismat Chugtai and many more.She prefers Nazir Ahmad on all other novelists of that time due to his moral attitude. We can contradict with her opinion yet importance of her book in criticism of Urdu novel and short stories can't be denied.It tells us about the development of these two geners of Urdu Literature and shows her extensive knowledge about it.Her deep insight in criticism especially in above mentioned book is notable.

Key Words:Begam Shaista Ikramulla,Shaista Akhtar Bano Suharwardi Bagh o Bahar, Fasane Ajaib, Criticism, Novel, Short Stories, Nazir Ahmad, Sharar, Sershar, Rashidul Khairi, Munshi Sajad Husain,Prem Chand,Azeem Baig Chugtai, Ruswa, Muhammadi Begam, Sudarshan, Ahmad Nadeem Qasmi, Ali Abbas Hussaini, Ahmad Ali, Hayat Ullah Ansari, Ismat Chugtai

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

بیگم شائستہ اکرام اللہ پاکستان کی تاریخ میں سیاست کے حوالے ایک معروف اور اہم نام ہیں۔ وہ ۲۲ جولائی ۱۹۱۵ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئیں اور تحریک پاکستان کی سرگرم رکن تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی کی رکن تھیں نیز انھوں نے مختلف ممالک میں پاکستان کی سفارتکاری کے فرائض بھی انجام دیے۔ انھیں ادب سے بھی لگاؤ تھا چنانچہ وہ افسانہ نگاری بھی کرتی تھیں اور ان کا قلمی نام شائستہ سہروردی تھا۔ اردو میں ان کی کتابیں، کوشش ناتمام ،پردے سے پارلیمنٹ تک اور دلی کی خواتین کی کہاوتیں اور محاورے اہم کتب ہیں اور یہ کتب خاصی معروف بھی ہوئیں۔ انھیں اردو اور انگریزی زبان پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ انگریزی میں ان کی دو کتب *Letters to Nina* اور *Behind the Well*(1) کے علاوہ ان کی تنقیدی کتاب جو ان کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے ناول اور افسانے کی تنقید کے حوالے سے نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ انھوں نے لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ بیگم اکرام اللہ جو شادی سے پہلے شائستہ اختر بانو سہروردی کے نام سے جانی جاتی تھیں برصغیر پاک و ہند کی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے یونیورسٹی آف لندن سے ڈاکٹریٹ کی سند پائی۔ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ یونی ورسٹی آف لندن میں ۱۹۳۹ء میں پیش کیا گیا جو بعد ازاں کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ کتاب ۱۹۴۵ء میں لندن کے اشاعتی ادارے لانگ مین گرین لینڈ اینڈ کو (Long Man Green land and Co.) سے A Critical Survey of the Development of the Urdu Novel and Short Story کے عنوان سے شائع ہوئی۔(2) کتاب کا مذکورہ پہلا ایڈیشن نایاب ہے۔ میرے پیش نظر اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۲۰۰۶ء میں آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس کراچی سے اشاعت پذیر ہوا۔ موخر الذکر ایڈیشن کے اندرونی سرورق کی پشت پر، اشاعتی معلومات میں، اس کتاب کا سنہ اشاعت ۱۹۴۵ء درج ہے جب کہ اس ایڈیشن کے تعارفی دیباچے میں آصف فرخی نے اس کے پہلے ایڈیشن کا سنہ اشاعت ۱۹۴۱ء بتایا ہے۔(3) کولمبیا یونی ورسٹی کے آن لائن کیٹیلاگ سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں ۱۹۴۵ء ہی کا سنہ اشاعت مستند ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ دیباچے میں کتابت کی غلطی کے سبب ۱۹۴۱ء چھپ گیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ اس ایڈیشن کے آغاز کے اوراق میں واضح طور پر ایڈیشن کا سنہ اشاعت ۱۹۴۵ء درج ہے۔

موخر الذکر انگریزی کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے بہ عنوان "A Short Historical Survey of Novel" میں ناول کے فن کی تعریف اور ناول کے اجزائے ترکیبی پر بالاختصار روشنی ڈالی گئی ہے۔ مزید برآں برصغیر میں مغربی ادب کے اثرات کے تحت ناول کی صنف کے ارتقا

کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس ضمن میں شائستہ اختر بانو کی رائے میں بالخصوص فورٹ ولیم کالج کے تحت لکھی جانے والی داستانوں کے کرداروں کے مکالمات میں حقیقت کے عنصر نے ناول کے فن کی راہ ہموار کی۔ یہاں اس کتاب کے مباحث پر بات کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کے مذکورہ کتاب پر بیگم شائستہ اکرام اللہ کا نام چونکہ شائستہ اختر بانو سہروردی درج ہے چنانچہ اس آرٹیکل میں ان کا یہی نام درج کیا جائے گا۔اس کتاب میں فورٹ ولیم کالج کی داستانوں میں سے **باغ و بہار** کے اسلوب پر تبصرہ کرتے ہوئے شائستہ اختر بانو سہروردی لکھتی ہیں:

> "There is in it a homeliness and a quality of realism that belongs to the true novel." (4)

اس حصے کے مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ شائستہ اختر،اردو کی کلاسیکی نثر کے سرمایے پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ "Foundation of Romances" کے عنوان کے تحت انھوں نے فورٹ ولیم کالج کے تحت لکھی جانے والی دیگر رومانی داستانوں کے علاوہ اردو کی ایک اور مشہور داستان **فسانۂ عجائب** کا تذکرہ بھی تفصیل سے کیا ہے۔یوں داستان سے ناول تک کے ارتقائی سفر کی تفہیم میں قاری کے لیے سہولت پیدا ہوئی ہے۔

مصنفہ کی رائے میں جدید ناول اور قدیم کلاسیکی داستانوں میں بنیادی فرق،کردار نگاری کا ارتقا ہے۔ ناول میں کردار نگاری نمایاں ہے جب کہ داستانوں میں قصہ در قصہ کی تکنیک پر زیادہ زور دیا جاتا رہا۔

زیر نظر کتاب کے دوسرے حصے میں اردو کے اہم ناول نگاروں کے نمایاں ناولوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان میں رتن ناتھ سرشار کے **فسانہ آزاد**،نذیر احمد کے ناول **ابن الوقت** اور **توبتہ النصوح** اور شرر کے ناول **فردوس بریں** کا تنقیدی مطالعہ قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔اس باب میں ان ناول نگاروں کے دیگر ناولوں کے موضوعات اور فن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

شائستہ اختر بانو سہروردی محولہ بالا تین ناول نگاروں میں سے ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری کی سب سے زیادہ تعریف کرتی ہیں۔بالعموم اردو تنقید میں ڈپٹی نذیر احمد کی مقصدیت کے سبب انھیں ناول نگار کی بجائے مصلح یا واعظ قرار دینے کی تنقیدی روش عام ہے۔جب کہ شائستہ اختر نے اس الزام کی تردید کی ہے۔ان کی رائے میں مقصدیت بجائے خود کوئی قابل اتہام پہلو نہیں۔اگر ایسا ہوتا تو پھر عالمی شہرت یافتہ ادیبوں چارلس ڈکنس(Charles Dickens)اور برنارڈ شا(Bernard Shaw) کو بھی مقصدیت کی بنا

پر کم درجے کے مصنفین قرار دیا جانا چاہیے جو یقیناً ناممکن ہے۔ مصنفہ ڈپٹی نذیر احمد کی مقصدیت کو حقیقت نگاری کے مترادف گردانتی ہیں اور انھیں جین آسٹن (Jane Austin) کے مماثل قرار دیتی ہیں۔ اس مماثلت کی وجہ یہ بیان کرتی ہیں کہ دونوں مصنفین، ہر شے کو حقیقت سے قریب تر بیان کرتے ہیں۔

شائستہ اختر بانو کی محولہ بالا رائے اس لیے درست قرار نہیں دی جا سکتی کہ وہ ڈپٹی نذیر احمد کی مثالیت پسندی کو بالکل نظر انداز کر گئی ہیں۔ نذیر احمد کے ناولوں کے مثالی کردار، حقیقی دنیا سے لگا نہیں کھاتے۔ عالمی سطح کے اہم ادیبوں سے ڈپٹی نذیر احمد کا تقابل کرتے ہوئے شائستہ اختر بانو یقیناً مبالغہ آرائی کا شکار ہو گئی ہیں۔ اس کے پس پشت ان کی ذاتی پسند یا بالفاظ دیگر اخلاقیات پر مبنی ناولوں کی طرف رغبت کارفرما ہے۔

کتاب کے اسی حصے میں ایک اور اہم مبحث "The Imitators of Sarshar, Nazir Ahmad and Sharar" کے عنوان سے ہے۔ اس میں شائستہ اختر نے ان تمام ناول نگاروں کا تذکرہ کیا ہے جن کے ہاں سرشار، نذیر احمد اور شرر کے اثرات ملتے ہیں۔ شائستہ اختر نے منشی سجاد حسین کے ناول حاجی بغلول کو سرشار کے فسانہ آزاد کے خوجی کی نقل قرار دیا ہے۔ اسی طرح منشی سجاد حسین ہی کے ناول طرح دار لونڈی کو سرشار کے ناول سیر کہسار سے مماثل قرار دیا ہے۔

بعینہٖ ڈپٹی نذیر احمد کے صاحب زادے مولوی بشیر احمد کے ناولوں اقبال دولھن اور حسن معاشرت پر بھی نذیر احمد کے اثرات کی نشان دہی کی ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلے میں چند دیگر مصنفین کا ذکر بھی کیا ہے جن میں قاری سرفراز حسین، مرزا محمد سعید اور محمد علی وغیرہ شامل ہیں۔

اس کتاب میں راشد الخیری کی ناول نگاری کے حوالے سے الگ باب قائم کیا گیا ہے جس میں ان کے مختلف ناولوں کو موضوعاتی لحاظ سے تقسیم کر کے، ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ غالباً پہلی بار کسی نقاد نے راشد الخیری کے ناولوں کو اس قدر اہمیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس سے بھی مصنفہ کی ترجیحات واضح ہوتی ہیں۔ راشد الخیری کو بالعموم اردو تنقید میں ''مصورِ غم'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کے مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی اسی مقصدیت کے سبب شائستہ اختر بانو سہروردی نے انھیں اس درجہ اہمیت دی ہے۔

کتاب کے مذکورہ حصے میں خواتین ناول نگاروں کی خدمات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں جن ناول نگار خواتین کا تذکرہ آیا ہے ان میں محمدی بیگم، صفیہ بیگم، عباسی بیگم، والدہ افضال علی وغیرہ نمایاں ہیں۔

دوسرے حصے میں شامل دسواں باب "The Modern Novel" کے عنوان سے ہے۔ اس میں جن ناول نگاروں کے ناولوں کے حوالے سے تنقیدی رائے دی گئی ہے ان میں پریم چند، عظیم بیگ چغتائی، مرزا ہادی رسوا، قاضی عبدالغفار وغیرہ شامل ہیں۔

زیرنظر کتاب کا تیسرا حصہ افسانوں کے تنقیدی جائزے کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس حصے کو آٹھ اجزا میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے جزو بہ عنوان "The Short Story, Its Destination and Its Appearance in European Literature" میں مغربی ادب کے اثرات کے تحت اردو میں افسانوں کے آغاز کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے بہ عنوان "Begining of the Short Story in Urdu Literature with the Sketches in Avadh Panch" میں شائستہ اختر بانو نے اودھ پنچ میں چھپنے والے مزاحیہ خاکوں کو اردو افسانوں کے ارتقا کی ابتدائی کڑی قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنی رائے کے اثبات میں ناصرف منشی سجاد حسین اور جوالہ پرشاد برق کے کئی خاکوں کے نام گنوائے ہیں بلکہ ان سے اقتباسات پیش کر کے بھی دلیل فراہم کی ہے(5)

۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۵ء تک کے دور کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ "The Development of the Short Story in Urdu From 1900 to 1925" کے عنوان کے تحت لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف ادبی رسایل کی خدمات بھی مذکور ہیں جن میں مخزن، اردوئے معلی، نظام المشائخ، کہکشاں، دین دنیا، درویش وغیرہ شامل ہیں۔ مذکورہ رسایل میں مخزن، اردوئے معلی اور کہکشاں کے نام تو خاصے معروف ہیں۔ دیگر رسایل کا حوالہ، اس امر کا ثبوت ہے کہ مصنفہ شائستہ اختر بانو سہروردی کی نسبتاً غیر معروف مآخذ پر بھی گہری نظر ہے۔ نیز انھوں نے مختلف رسایل و کتب تک رسائی میں خاصی محنت اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ اس باب میں جن افسانہ نگاروں کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے ان میں سجاد حیدر یلدرم، خواجہ حسن نظامی، امتیاز علی تاج، عبدالمجید سالک اور سلطان حیدر جوش وغیرہ شامل ہیں۔ مذکورہ افسانہ نگاروں میں سے سلطان حیدر جوش کے افسانوں کو وہ دیگر افسانہ نگاروں کے افسانوں کے مقابل کم اہمیت کا حامل قرار دیتی ہیں۔ لکھتی ہیں:

> "The instinct merit of Sultan Haidar Josh's work is very little. It has historic interest as it served as the

> purpose of showing the stages by which Urdu short stories have acheived their present position." (5)

"Women Short Story Writers" کے عنوان سے قائم کیے گئے باب میں، جن خواتین افسانہ نگاروں کو زیر بحث لایا گیا ہے ان میں عباسی بیگم، نذر سجاد حیدر، خاتون اکرم شامل ہیں۔ مزید برآں اس دور میں ادبی رسائل میں جن خواتین افسانہ نگاروں کے افسانے اشاعت پذیر ہو رہے تھے ان میں زبیدہ زری، راحت آرا بیگم، عصمت چغتائی، صالحہ عابد حسین اور مہرالنسا بیگم کے نام گنوائے گئے ہیں۔ان میں عصمت چغتائی اور صالحہ عابد حسین اہم نام ہیں۔لیکن ظاہر ہے ابھی ان کے افسانوی مجموعے منظر عام پر نہیں آئے تھے گویا یہ افسانہ نگار خواتین اپنے فن کی ابتدائی منزل پر تھیں۔

"Prem Chand and His Imitators" کے عنوان کے تحت قایم کیے گئے باب میں پریم چند کے اہم افسانوں کا بالاختصار تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز ان کے اثرات کے تحت لکھنے والے افسانہ نگاروں پر بھی بات کی گئی ہے۔ ان میں سدرشن، احمد ندیم قاسمی، علی عباس حسینی نمایاں ہیں۔ مذکورہ افسانہ نگاروں کو پریم چند کے نقال "Imitators" قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان سب کے ہاں پریم چند کی طرح دیہی زندگی کی عکاسی ہے۔

شائستہ اختر بانو سہروردی کی محولہ بالا رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ درست ہے کہ ان تمام افسانہ نگاروں نے دیہی زندگی کی عکاسی کی مگر ہر ایک کے موضوعات، کہانی، پلاٹ کی بنت اور پیش کش کا انداز انھیں پریم چند سے منفرد بناتا ہے۔ تاہم شائستہ اختر بانو سہروردی نے جب یہ کتاب لکھی تو مذکورہ افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری ارتقائی مراحل میں تھی۔ محولہ بالا تمام افسانہ نگاروں بالخصوص احمد ندیم قاسمی کے فن کا نکھار تقسیم ہندوستان کے بعد طبع ہونے والے افسانوں میں ملتا ہے۔ ان تمام افسانہ نگاروں پر اگر ابتدا میں کہیں پریم چند کے اثرات تھے بھی تو بعد ازاں انھوں نے اپنے منفرد اسلوب سے اپنی الگ شناخت بنائی۔

زیر نظر کتاب میں شامل باب بہ عنوان "The Modern Short Story Writers" میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ افسانہ نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں مصنفہ نے علی سردار جعفری، احمد علی اور حیات اللہ انصاری کے افسانوں کو بہترین قرار دیا ہے۔

شائستہ اختر بانو سہروردی نے ان جدید افسانہ نگاروں کی درجہ بندی، مختلف رجحانات کی روشنی میں کی ہے۔ پریم چند کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں میں احمد ندیم قاسمی، علی عباس حسینی اور عابد علی عابد کو شمار کیا

ہے جب کہ سوشلسٹ نظریات کے حامل ترقی پسند افسانہ نگاروں کو وہ الگ مکتب فکر میں شمار کرتی ہیں۔ان میں علی سردار جعفری اور احمد علی کے افسانوں کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔

شائستہ اختر بانو سہروردی نے محولہ بالا دو رجحانات سے الگ رومانی موضوعات پر لکھنے والے افسانہ نگاروں میں ایم۔اسلم اور عابد علی کا ذکر کیا ہے۔مصنفہ نے نیاز فتح پوری، قاضی عبدالغفار، حفیظ جالندھری اور مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔تاہم مصنفہ کے مطابق موخرالذکر تمام افسانہ نگاروں کے ہاں کوئی رجحان نمایاں ہو کر نہیں اُبھرا۔

"The Humerous Writers" کے عنوان سے قائم کیے گئے باب میں افسانہ نگاروں کے ہلکے پھلکے انداز میں لکھے ہوئے افسانوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ان میں سجاد حیدر یلدرم، امتیاز علی تاج، شوکت تھانوی، پطرس بخاری، عظیم بیگ چغتائی اور فرحت اللہ بیگ وغیرہ کے افسانے شامل ہیں۔

شائستہ اختر بانو سہروردی کی انگریزی ادب پر گہری نظر ہے۔اس لیے وہ اس کتاب میں کم و بیش ہر پہلو پر بات کرتے ہوئے اردو ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کا موازنہ انگریزی ادیبوں سے کرتی ہیں۔یہاں بھی انھوں نے امتیاز علی تاج اور ایم۔اسلم پر انگریزی ادیبوں کے اثرات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> "The humour in the world of these writers is the type of Modern English humour. It relies on absurdities of conduct and dress for creating laughter and is admittidly in imitation of English and American humourists. Taj owns to be writing in imitation of Jerome K Jerome and M. Aslam is indebted to Mark Twain." (6)

کتاب کے آخر میں مصنفہ نے اردو ناول اور افسانے کے مستقبل کے حوالے سے بھی محتاط انداز میں رائے دی ہے۔ان کے مطابق اردو ناول کے مقابلے میں افسانے نے زیادہ تیزی سے ترقی کی ہے اور کئی اہم افسانوی مجموعے سامنے آئے ہیں۔مزید برآں یہ کہ افسانے کا فن زیادہ تیزی سے آگے بڑھے گا تاہم ناول کے فن کے ارتقا کے امکانات بھی روشن ہیں۔

مجموعی لحاظ سے شائستہ اختر بانو سہروردی کی یہ کتاب اردو ناول اور افسانے کی تنقید میں نہایت اہم ہے۔اس سے اردو ناول اور افسانے کی روایت سے تفصیلی آگاہی ملتی ہے۔مصنفہ کی تنقیدی آرا ان کی گہری بصیرت کا ثبوت ہیں۔

☆☆☆☆

## حوالہ جات


1- Aqeel Abbas Jaffery.Pakistan Chronichal.Karachi:Fazli Sons,2010,p.868

2- Shaista Akhtar Bano Suherwardi. "Introduction" to the 2006 Edition (by Asif Farrukhi). *A Critical Survey of the Development of the Urdu Novel and Short Story.* Karachi: Oxford University Press, 2006, p. xi

3- Ibid , p. 14

4- Ibid, p. 161

5- Ibid , p. 181

6- Ibid , p. 234